

حضرت علامہ حافظ محمد صاحب گوندلوی

قسط نمبر ۱۲

دھام حدیث

ایک اسلام

قرآن میں رد و بدل:

”لولا ان یقول الناس نرا دعمر فی کتاب اللہ لکتبتھا الشیخ والشیخۃ اذا

ترتیباً فیما یرجموها فاما قد اذناھا“ (مکطأ)

اگر پڑھتے رہے تو نکال کس نے؟ اور اگر نکال دی گئی تھی تو اللہ کا وعدہ حفاظت قرآن کیا ہوا۔ اس موضوع پر ایک حدیث بخاری میں بھی موجود ہے:

عن عمر بن الخطاب قال ان الله بعث محمداً صلى الله عليه وسلم

وانزل عليه الكتاب فكان فيها نزل آيت الرجم

عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ اللہ نے محمد کو رسول بنا کر بھیجا اور اس پر ایک کتاب نازل کی، جس میں آیت رجم بھی موجود تھی۔

یعنی امام بخاری نے بھی یہ تسلیم کر لیا کہ قرآن میں آیت رجم موجود تھی، لیکن یہ نہیں بتایا، وہ کئی کہاں؟ (دو اسلام ص ۱۶۹)

موطا کی روایت کا ایک یہ مطلب ہے کہ یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

نافذ کیا اور ہم نے بھی پڑھا۔ یعنی یہ حکم بہت اہم ہے جس کا آپ نے عام اعلان کیا تھا اور اس پر عمل کیا مگر یہ حکم چونکہ قرآن میں صاف طور پر مذکور نہیں بلکہ اس سے مستنبط ہے۔ یعنی سورہ مائدہ آیت ۴۸ سے یہ حکم نکلتا ہے۔ اگر میں اس کو قرآن کے ساتھ لکھ دوں تو لوگ کہیں گے کہ عمر نے اللہ کی کتاب میں اضافہ کر دیا ہے، اس لئے میں نہیں لکھتا۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا بلکہ لوگ اس حکم کو بدستور قرآن سے مستنبط ہی سمجھتے رہتے تو اس کو قرآن مجید کے کنارے یہ لکھ دیتا۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن کی آیت ہے مگر میں ہی اس کو قرآن کی آیت سمجھتا ہوں۔ دوسرا کوئی شخص بھی میرے ساتھ اس کو قرآن کی آیت خیال نہیں کرتا اگر میں اپنے خیال کے مطابق اس کو قرآن میں لکھ دوں تو لوگ کہیں گے کہ عمر نے کتاب اضافہ کر دیا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس حکم کے متعلق غلط فہمی ہوئی، وہ غلطی سے اس کو قرآن کی آیت سمجھتے تھے۔ دوسرا کوئی آدمی بھی آپ کے ساتھ اس بات میں شریک نہ تھا۔ دوسرے تمام صحابہ اس کے خلاف تھے۔ لہذا انہی کی بات درست ہونی چاہیئے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں لیکن معصوم صرف پیغمبر کی ذات ہوتی ہے۔ . . . اور بخاری کی حدیث میں بھی یہی تو جبر ہے۔ پہلی تو جبرہ کی رو سے آیہ رجم کے معنی حکم رجم کے ہوں گے اور کتاب سے مراد حکم ہوگا۔ یا کتاب سے مراد قرآن اور آیت سے مراد وہ آیت جس سے یہ حکم مستنبط ہوتا ہے، پس قرآن مجید میں رد و بدل کا خیال باطل ہو گیا۔

آگے ایک قرأت لکھی ہے جو آجکل مروج نہیں۔ اس سے بھی یہی سمجھا ہے کہ اس سے قرآن میں رد و بدل ہو گیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

”البدل رد ار نے علقم سے پوچھا کہ حضرت عبد اللہؓ والیل کی تلاوت کس طرح کرتے ہیں؟ تو علقمہ بولے، اس طرح:

”واللیل اذا یلشی - والذکر والا نشی“

آپ نے فرمایا، خدا کی قسم میں نے رسول اللہؐ سے یہ آیت اس طرح سنی اور

میں اس طرح پڑھوں گا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۱)

تو گویا تین جلیل القدر صحابہ نے شہادت دی کہ یہ آیات مذکورہ صورت میں نازل ہوئی تھیں، لیکن آج قرآن شریف میں یوں درج ہے:

”واللیل اذا یغشیہ والنہار اذا تجلی۔ وما خلق الذکر والانتہا“

اب کس کو صحیح تسلیم کریں، ان صحابہ کو یا صحیح مسلم کو یا قرآن شریف کو؟ لازماً پہلا

کہنا پڑے گا کہ ہمارا قرآن صحیح ہے اور یہ حدیث غلط ہے؟

موطا کا ذکر کرتے کرتے صحیح مسلم تک پہنچ گئے، حدیث غلط نہیں بلکہ آپ کے فہم کی

غلطی ہے۔ آج کل قرآن مجید میں ”وما خلق الذکر والانتہا“ ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں

ایک یہ کہ مامصدر یہ ہو اور دوسرا یہ کہ ماموصلہ ہو۔ عبداللہ کی قرأت سے اس کے مصدر

ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے یہ پڑھا،

قرآن تو دراصل یہی ہے جو ہمارے پاس ہے۔ عبداللہ بن مسعود اور ابوالدرداء نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے تفسیر کی قرأت سنی تو اسی طرح یاد کر لیا۔ اس قسم کی غلطیاں آدمی سے

ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود معوذتین کو قرآن میں داخل نہیں کرتے تھے، اور

فاتحہ کو مصحف سے کھرچ دیا کرتے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ فاتحہ کا کوئی مقام متعین

نہیں، اس لئے مصحف میں لکھنا نہیں چاہیے۔ اور معوذتین کا نزول دم بھڑکے لئے

ہے اس واسطے ان کو بطور قرأت نہیں پڑھنا چاہیے۔ اور عبداللہ بن مسعود کی قرأت

دراصل اس طرح ہے ”واللیل اذا یغشیہ والنہار اذا تجلی۔ والذکر والانتہا“ ہے

جیسے ترمذی ص ۱۱، ج ۲ میں ہے۔ آپ کا حوالہ مسلم کا تو ملا نہیں، صرف ہماری قرأت اور

عبداللہ کی قرأت میں ”وما خلق“ کے ذکر اور حذف کا فرق ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے

کہ یہ بھی ایک قرأت ہو۔

پھر تین جلیل القدر صحابی کی بھی خوب کہی۔ ابوالدرداء اور عبداللہ تو صحابی ہیں، مگر

علفہ متنازع فیہ۔ صحیح بات یہ ہے، وہ صحابی نہیں، اگر ہوں بھی تو جلیل القدر نہیں۔

بہر حال شاگرد ہیں عبداللہ کے، گواہ اصل صرف دو ہوئے۔

اس کے بعد ذکر کیا ہے:

”حضرت انسؓ سے روایت ہے جو لوگ بیربعونہ میں شہید ہو گئے تھے ، ان کے متعلق مندرجہ ذیل آیت اتری تھی جو بعد میں منسوخ ہو گئی :
”بلغوا قومنا ان قد بقیتا دینا فرضی عنا فرضینا عندہ“

”ہماری قوم سے کہہ دو کہ ہم اللہ سے ملے ، وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہو گئے۔“ (بخاری و مسلم)

اگر یہ آیت واقعی نازل ہو کی تھی تو مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اس کا باقی رہنا ضروری تھا۔“ (دو اسلام صفحہ ۱۷)

یہ الفاظ مذکورہ تو اترے تھے مگر ان کے قرآن ہونے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ثبوت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وحی کے ذریعہ اطلاع پا کر یہ الفاظ سنا کئے تو ہو سکتا ہے کہ راوی نے قرآن سمجھ لیا ہو۔

اور ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ کو اس لئے منسوخ کر دیا ہو کہ اس کا عوض قرآن میں موجود ہے۔ یعنی آیت :

”بل احياء عند ربهم يرزقون“ فحیون

اپنے رب کے پاس زندہ ہیں ، ان کو اپنے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے ، خوش ہیں“

قرآن مجید میں ہے :

”ما نسخ من آية او نسفنا مات بخير منها او مثلها . . . الآية“

کہ اگر ہم کوئی آیت منسوخ کر دیں تو اس سے بہتر یا اسی قسم کی آیت اور لے آتے ہیں۔“

اسی نوعیت کی ایک اور حدیث اس کے بعد پیش کی ہے :

”عن براء بن عازب قال نزلت هذه الآية . حافظوا على الصلوة

والصلوة العصر فقرأناها ما شاء الله ثم نسخها الله ونزلت حافظوا

على الصلوات والصلوة الوسطى“ (صحیح مسلم ج ۲)

براء بن عازب سے روایت ہے کہ پہلے یہ آیت اتری ”حافظوا على الصلوات

والصلوة العصر ہم کچھ عرصہ تک اسے پڑھتے رہے پھر منسوخ ہو گئی،

اور اس کی جگہ یہ نازل ہوئی ۱۷ (دعا سلام ص ۱۷)

اس کے متعلق بھی وہی جواب ہے جو پہلے دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ العصر کا لفظ بطور تفسیر لولا۔ راوی نے یہ سمجھا کہ شاید اسی طرح یہ آیت اتری۔ پھر جب اس کے بعد سننے کا اتفاق ہوا تو جیسے اصل آیت تھی ویسے ہی سنی، تو یہ سمجھا کہ شاید اب یہ آیت اتری ہے اور پہلی منسوخ ہو گئی ہے۔ دوسرا جواب وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔

آگے لکھتے ہیں :

”گوشت میں غذائیت بہت زیادہ ہے۔ قرآن نے بھی گوشت خوری کو بطور انعام بیان کیا ہے : ”مستھا یا کلوا“ انہیں انسان کھاتا بھی ہے، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام گوشت کو ایک نعمت سمجھ کر کھایا کرتے تھے۔ لیکن موطا کی ایک حدیث ہمیں گوشت جیسی نعمت سے اجتناب کا حکم دیتی ہے۔

”عن عبد بن الخطاب قال اياکم واللحم فان لا ضرار ولا فساد“
عمر فاروق فرماتے ہیں : گوشت سے بچو، اس لئے کہ شراب کی طرح اس کی بھی عادت پڑ جاتی ہے۔

۔۔۔ اگر ایک اچھی چیز کی عادت پڑ جائے تو حرج کیا ہے؟ (دعا سلام ص ۱۷)

یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے یعنی حضرت عمرؓ کا قول ہے اور مرفوع کے مقابل موقوف حجت نہیں ہوتی۔ اس واسطے یہ حدیث آپ سے گوشت نہیں چھڑا سکتی۔ حضرت عمرؓ کا بھی یہ مطلب نہ تھا کہ بالکل گوشت نہ کھاؤ بلکہ مطلب یہ تھا کہ اس کی عادت نہ ڈالو کیونکہ جس کو گوشت کھانے کی عادت پڑ جائے وہ سبزی ترکاری کو پسند نہیں کرتا بلکہ اس کو گوشت کے سوا دوسری وال ترکاری ہضم ہی نہیں ہوتی پس وہ گوشت کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے اور مجاہد کے لئے موزوں نہیں کہ اپنے آپ کو ایک خاص خوراک کا پابند بنا کے خود حضرت عمرؓ گوشت کھاتے اور کھلاتے تھے جس کا ایک واقعہ موطا میں بھی ہے، پس آپ کو چاہیے کہ دونوں کو ملا کر مطلب لیں۔ (باقی آئندہ ان شاء اللہ)